رسول اللہ ﷺ کا معاشرتی طرز زندگی قرآن کی نظر میں

ولایتی[1]

خلاصہ

نبی اکرم ﷺ کی تریسٹھ برس کی زندگی ہے۔اس ظاہری حیات پاک میں آپ ﷺ عام لوگوں کے ساتھ معاشرے میں رہے۔مکہ میں اعلان رسالت سے پہلے کی زندگی بھی معاشرتی حوالے سے بہت اہم ہے۔آپ ﷺ نے ان سالوں میں اہل مکہ کے سامنے اخلاق کا وہ اعلی نمونہ پیش کیا کہ جب آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے لشکر آرہا ہے تو کیا تم لوگ یقین کرلوں گے؟سب نے کہا: ہم اس بات پر یقین کرلیں گے۔یہ ایک دو دن کی بات نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی کی محنت تھی۔آپ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اس اعلی اخلاق و کردار کا مظاہرہ کیا کہ آپ ﷺ کو اہل مکہ صادق وامین کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔جب آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت کا فیصلہ کیا تو آپ ﷺ کے پاس کفار کی امانتیں موجود تھیں جنہیں آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کے ذریعے واپس کرنے کا اہتمام فرمایا۔جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں پر اسلامی اور قرآنی اصولوں پر ایک معاشرہ تشکیل دیا۔اس معاشرے کی اہم ترین خصوصیت آپ ﷺ کا اخلاق تھا۔یہ معاشرہ دوسرے معاشروں سے اسی لیے امتیازی حیثیت رکھتا تھا، کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے حسن معاشرت کو رواج دیا تھا۔میاں بیوی کے حقوق،والدین کے ساتھ طرز عمل،اولاد کی تربیت،شادی بیاہ کیسے کیے جائیں گے؟اسی طرح پڑوسیوں، غیر مسلموں، مہمانوں سے کیسا سلوک ہوگا؟ معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کو کیسے حقوق دیے جائیں گے؟اسی طرح یتیموں اور بیواوں کی خبر گیری کیسے ہوگی؟ان سب معاشرتی مسائل کو اللہ کے نبی ﷺ نے قرآن مجید کے الٰہی پیغام کی روشنی میں حل فرمایا۔ہم

[1]

اپنے اس مقالہ میں آپ ﷺ کی اس سیرت طیبہ کو قرآن مجید کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

کلیدی الفاظ: رسول، معاشرتی، زندگی، قرآن، طرز

مقدمہ

تمام تعریفیں اس خالق کائنات کے لیے جس نے انسان کو قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس محمدؐ پر جسے اس نے عالمین کے لیے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام و رحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہان کے لیے چراغِ ہدایت بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو ایسا بنایا ہے کہ نہ اس سے پہلے کوئی بنایا ہے نہ بعد میں کوئی بن سکتا ہے، نہ آئے گا۔ سب سے اعلیٰ، سب سے اجمل، سب سے افضل، سب سے اکمل، سب سے ارفع، سب سے انور، سب سے اعلم، سب سے احسب، سب سے انسب، تمام کلمات آپ کی شان کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، آپ کی ذاتِ اقدس ان الفاظ کی تعبیرات سے بہت بلند و بالا ہے۔ آپ قارئین کی خدمت میں یہ مقالہ بنام "رسول اللہؐ کی معاشرتی طرز زندگی قرآن کریم کی نظر میں" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جس میں رسول کی معاشرتی طرز زندگی یعنی رسول اللہ کا اٹھنا بیٹھنا اور سیرت و کردار وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ پروردگار ہم سب کو رسول اللہؐ کی سیرت طیبہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرز زندگی

رسول اللہ ﷺ کی معاشرتی طرز زندگی سے مراد رسول اللہ ﷺ کی زندگی گزارنے کے طور طریقے ہیں یعنی جس طرح رسول اللہ نے زندگی گزاری مثلاً رسول اللہ ﷺ کی لوگوں سے ملنے کا طریقہ، کھانا کھانے کا طریقہ، مجلس میں بیٹھنے کا طریقہ، دشمنوں کے ساتھ تعلقات کا طریقہ اور دشمنوں سے جنگ کرنے کا طریقہ وغیرہ، طرز زندگی کو دوسرے الفاظ میں "سیرت" کہا جاتا ہے۔ یعنی رسول اللہ کی طرز زندگی کو "رسول اللہ ﷺ کی سیرت" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ذیل میں ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر روشنی ڈالیں گے۔

سیرت کا لغوی مفہوم

عربی زبان میں لفظ "السیرۃ" کا لغوی معنی طریقہ، عادت، سنت، سوانح عمری اور طرز زندگی کے ہیں۔ لفظ "السیرۃ" "سار" کا اسم ہے جس کے معنی ہیں عادت، طریقہ، طرز زندگی، ہیئت اور لوگوں کے ساتھ سلوک کی کیفیت۔ کہا جاتا ہے" ھو حسن السیرۃ" وہ اچھی عادت والا ہے۔[1]

لفظ سیرت واحد کے طور پر اور بعض دفعہ اپنی جمع سیر کے ساتھ اہم شخصیات کی سوانح حیات اور اہم تاریخی واقعات کے بیان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سیرت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں سیرت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی لی جاتی ہے مثلاً رسول اللہؐ کے واقعات اور غزوات وغیرہ رسول ﷺ کی سیرت میں آتی ہیں۔ بعض کے نزدیک لفظ سیرت صرف رسول اللہؐ کی سیرت سے مخصوص ہے لیکن بعض کے نزدیک سیرت رسول اللہؐ کے علاوہ کسی دوسری بڑی شخصیت کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

لفظ سیرۃ قرآن میں

قرآن کریم میں لفظ "سیرۃ " صرف ایک جگہ آیا ہے۔

سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ [2]

ہم اسے اس کی پہلی حالت پر پلٹا دیں گے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سانپ بن جانے کے بعد دوبارہ اصلی حالت میں آجانے کی طرف اشارہ ہے لہذا یہاں لفظ "سیرۃ" حالت اور کیفیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

سیرت قرآن کی نظر میں

قرآن مجید دو طرح سے سیرت کے ماخذ کا کام دیتا ہے۔

---

[1] المنجد، ص ۴۰۸

[2]۔ سورہ طہ آیت ۲۱

الف۔ اس میں آنحضرتؐ کی مبارک زندگی کے متعدد واقعات، غزوات اور بعض دیگر پیش آمدہ حالات کا ذکر ہے۔ کہیں تفصیل اور کہیں اجمالی اشارات موجود ہیں۔

ب۔ قرآن کریم میں وہ تمام تعلیمات ہیں جن کو آنحضرت نے عملًا نافذ کیا۔ اسی طرح معاصر کفار کے بعض اعتراضات اور ان کے جوابات مذکور ہیں۔ قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کی تفصیل اور زمانہ یا موضع نزول کے بارے میں سیرت طیبہ کے واقعات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا قرآن کریم سیرت طیبہ کے بارے میں کچھ تفصیلی معلومات بھی دیتا ہے اور اجمالی اشارات کے ذریعے سے واقعات سیرت کی اصل کی نشاندہی کر کے اس کی تفصیلات جاننے پر آمادہ بھی کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین سیرت و کردار کا مالک تھے۔ آپ ہی وہ فرد کامل ہیں جن میں اللہ رب العزت نے وہ تمام اوصاف جاگزیں کئے ہیں جو انسانی زندگی کے لیے مکمل لائحہ عمل بن سکتے ہیں۔ کیونکہ آپؐ اپنی قوم میں اپنے رفعت کردار، فاضلانہ و شیریں اخلاق اور کریمانہ عادات کے سبب سب سے ممتاز تھے۔

مزید یہ کہ نبیؐ سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ خوش اخلاق، سب سے زیادہ معزز ہمسائے، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ نرم پہلو، سب سے زیادہ پاک نفس، سب سے زیادہ خیر اندیش، سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ نیک، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانتدار تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپؐ کا لقب ہی امین رکھ دیا تھا۔

اللہ کو رسول کی سیرت پسند آئی اور رسولؐ کی سیرت کو ہمارے لیے نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

رسول اللہؐ کی نماز

رسول اللہؐ نماز کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے جیسا کہ امام علیؑ فرماتے ہیں:

[1] سورہ احزاب: ۲۱

كان رسول الله(ﷺ) لا يوثر على الصلاة عشاء ولا غيره و كان اذا دخل وقتها كانّه لا يعرف اهلاً و لا حميماً [1]

رسول اللہؐ کوئی بھی چیز مثلارات کا کھانا یا اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو نماز پر مقدم نہیں کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو اپنے گھر والے اور دوستوں کو نہیں پہچانتے تھے۔

رسول اللہؐ کا اٹھنا اور بیٹھنا

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله(ﷺ) اكثر ما يجلس تجاه القبلة"[2]

رسول اللہؐ بیٹھتے وقت اکثر قبلے کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے۔

دوسری جگہ ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ:

"كان النبى(ﷺ) لا يقوم ولا يجلس الا على ذكر الله"[3]

رسول اللہؐ ذکر خدا کیے بغیر نہ اٹھتے اور نہ بیٹھتے تھے۔

رسول اللہؐ کا لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق کلام

رسول اللہؐ لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق بات کرتے تھے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"ما كلّم رسول الله(ﷺ) العباد بكنه عقله قط، قال رسول الله(ﷺ): انا معاشر الانبياء اُمِرنا ان نكلّم الناس على قدر عقولهم"[4]

رسول اللہؐ نے لوگوں سے ہر گز اپنی عقل کے مطابق بات نہیں کی اور آپ نے

---

[1] مجموعہ ورام، جلد ۲، ص ۷۸

[2] وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۹

[3] مناقب آل ابی طالب، جلد ۱، ص ۱۴۷

[4] تحف العقول، ص ۳۷

فرمایا کہ ہم پیغمبران اس بات پر مامور ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ان کی اپنی عقل و فہم کے مطابق بات کرے۔

نرم مزاجی

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ [1]

(اے رسول) یہ مہرالٰہی ہے کہ آپ ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کو بہت بڑا صدمہ ہوا، دشمن سے جنگ کے بارے میں اختلاف شروع ہوا۔ ایک تہائی لشکر راستے سے واپس چلا گیا۔ ایک گروہ نے غنیمت کی لالچ میں رسول اللہؐ کی نافرمانی کی۔ حضرت حمزہ و دیگر شہداء کی قربانی دینی پڑی۔ حضورؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ چند افراد کے علاوہ باقی مسلمان آپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، انہوں نے آپؐ کی آواز پر لبیک نہیں کہا اور پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ آپ کی قتل کی خبر سن کر دین سے برگشتہ ہو گئے اور آبائی دین اختیار کرنے کی باتیں کرنے لگے۔

ان تمام باتوں کے باوجود حضورؐ کا رویہ نرم رہا اور آپ نے خدائی اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔ رحمت الٰہی کا مظاہرہ ہوا اور تمام گستاخیوں کے باوجود نہ کسی کو راندۂ درگاہ کیا، نہ کسی کی ایسی سرزنش کی کہ وہ آپ سے متنفر ہو جائے۔

اگر اپنے ساتھیوں کی ان ناشائستہ حربی جرائم پر سرزنش کرتے، اپنے حسن اخلاق کا مظاہرہ نہ کرتے تو وہ آپ کو چھوڑ جاتے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب رسول اللہؐ حربی جرائم سے در گزر فرماتے تھے جو دنیا میں قابل معافی نہیں ہوتے تو دوسری لغزشوں بلکہ سازشوں سے در گزر فرمانا تعجب کی بات نہیں۔ چنانچہ جنگ تبوک سے واپسی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کو فاش نہیں فرمایا۔ [2]

---

[1] سورہ آل عمران آیت ۱۵۹

[2] الکوثر فی تفسیر القرآن، جلد ۲، ص ۱۹۹

آپؐ ملنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے، ان سے مسکرا کر بات چیت کرتے، ان کی ظریفانہ مجلسوں میں شریک ہوتے، بسا اوقات ان سے لطیف مزاح بھی فرماتے۔ آپؐ کا یہ برتاؤ تمام طبقات کے ساتھ تھا۔ اندرون خانہ ازواج مطہرات ہوں یا بچے، آپؐ کے قریبی اصحاب ہوں یا اجنبی، سب آپؐ کے بحر الطاف وعنایات سے فیض یاب ہوتے تھے۔ سیرت نبویؐ کا یہ ایک ایسا باب ہے جس سے آپ کی نجی زندگی کے ایک اہم پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں:

کان رسول الله(صلی الله علیه وآله وسلم) لا یذمّ احدا ولا یعیّره ولا یطلب عثراته ولا عورته ولا یتکلّم الا فیما رجا ثوابه[1]

رسول اللہؐ کسی کی بدگوئی نہیں کرتے تھے، کسی کی سرزنش نہیں کرتے تھے، دوسروں کی خطاوں اور اسرار کے درپے نہیں ہوتے تھے اور دوسروں کے بارے میں اچھائی کے علاوہ کچھ نہیں کہتے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے:

لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ[2]

بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔

اس آیت میں "منکم" کی جگہ پر "من انفسکم" آیا ہے کہ جو اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت و مہربانی سے پیش آتے اور بہت زیادہ روابط رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سب لوگوں کی تمام تکالیف سے واقف اور ان کی مشکلات سے باخبر رہتے اور اس کے رنج و غم میں شریک رہتے تھے۔

[1] عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص ۳۱۹

[2] سورہ توبہ آیت ۱۲۸

دوسری آیت کہ جس میں حضرت رسول اکرمؐ کی مہربان شخصیت کی تصویر کشی کی گئی ہے یہ ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۞ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ [1]

اور مومنین میں سے جو آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہدیجئے کہ میں تمہارے کردار سے بیزار ہوں۔

جو مومنین آپ کی پیروی کرتے ہیں ان کے لیے رحمت و رافت کے بال و پر بچھاؤ اور اگر آپ کی مخالفت کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال و کردار سے بیزار ہوں۔

اگرچہ بعض مفسرین نے عبارت "وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ" کی تفسیر تواضع سے کی ہے، لیکن یہ تعبیر تواضع، حضرت رسول اکرمؐ کی محبت و مہربانی کے ساتھ ہے۔ جیسے کہ پرندے جب اپنے بچوں کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں تو ان کے لیے اپنے پر کھول کر بچھا لیتے ہیں اور ان کو اپنے بال و پر کے اندر کر لیتے ہیں تاکہ وہ ہر طرح کے حوادث سے محفوظ رہیں اور بکھرنے و بچھڑنے سے بچے رہیں، حضرت رسول اکرمؐ بھی اس آیت کے پیش نظر مامور تھے کہ مؤمنین کے لیے اپنے بال و پر بچھائے رکھیں اور ان کو تفرقہ میں پڑنے سے محفوظ رکھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی مہربان

جب حضور اکرمؐ مخلوقات کے سامنے آتے ہیں تو اخلاق کا وہ نمونہ پیش کرتے ہیں کہ دنیائے انسانیت انگشت بدنداں نظر آتی ہے اور خداوند عالم کا فرمان ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ [2]

اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

---

[1] سورہ شعراء آیت ۲۱۶،۲۱۵

[2] سورہ قلم آیت ۴۔

ایک روز آپؐ نے مولا علیؑ کو بارہ درہم دیے اور فرمایا: "میرے لیے ایک لباس خرید کر لے آؤ، حضرت علیؑ بازار گئے اور بارہ درہم کا لباس خرید کر لے آئے، حضورؐ نے لباس کو دیکھا اور امام علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ، اگر اس لباس سے کم قیمت لباس مل جاتا تو بہتر تھا، اگر ابھی دوکاندار موجود ہو تو یہ لباس واپس کر دو" امام علیؑ دوبارہ بازار گئے اور لباس واپس کر دیا اور بارہ درہم واپس لا کر آپؐ کے حوالہ کر دیے۔

حضرتؐ مولا علیؑ کو اپنے ہمراہ لے کر بازار کی جانب روانہ ہوئے، راستہ میں ایک کنیز پر نظر پڑی کہ جو گریہ کر رہی تھی، آپؐ نے سبب دریافت کیا تو کنیز نے جواب دیا کہ میرے آقا نے مجھے چار درہم دیے تھے کہ کچھ سامان خرید کر لے جاؤں لیکن وہ چار درہم گم ہو گئے، اب گھر واپس جاؤں تو کس طرح؟

آپ نے اپنے بارہ درہموں میں سے چار درہم اس کنیز کو عطا کئے کہ وہ سامان خرید کر لے جائے اور بازار پہنچ کر چار درہم کا لباس خریدا، لباس لے کر بازار سے واپس آ رہے تھے تو ایک برہنہ تن انسان پر نظر پڑ گئی، آپؐ نے وہ لباس اس برہنہ تن کو بخش دیا اور پھر بازار کی جانب چلے، بازار پہنچ کر باقی بچے ہوئے چار درہموں کا لباس خریدا، لباس لیکر بیت الشرف کا قصد تھا کہ دوبارہ پھر وہی کنیز نظر آ گئی جو پہلے ملی تھی، آپ نے دریافت کیا کہ اب کیا ہوا؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے کافی دیر ہو چکی ہے، میں ڈر رہی ہوں کہ کیسے جاؤں، آقا کی سرزنش سے کیسے بچوں؟

حضورؐ کنیز کے ہمراہ اس کے گھر تک تشریف لے گئے، اس کنیز کے آقا نے جب یہ دیکھا کہ میری کنیز، سرکار رسالتؐ کی حفاظت میں آئی ہے تو اس نے کنیز کو معاف کر دیا اور اسے آزاد کر دیا، آپؐ نے فرمایا:

> کتنی برکت تھی ان بارہ درہموں میں کہ دو برہنہ تن انسانوں کو لباس پہنا دیا اور ایک کنیز کو آزاد کر دیا۔[1]

آپؐ کی مہمان نوازی

جناب سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں:

[1] بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۱۵۔ سیرۂ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۵

میں ایک روز حضرتؐ کی خدمت میں پہنچا، جو تکیہ آپ خود رکھے ہوئے تھے وہ مجھے دیدیا، تاکہ میں کمر لگا کر آرام سے بیٹھ سکوں۔ ایسا سلوک صرف سلمان فارسی کے ساتھ ہی نہیں کیا بلکہ ہر مہمان کے ساتھ آپ کا یہی برتاؤ رہتا تھا، آپؐ مہمانوں کی خاطر اپنا بستر بچھا دیا کرتے تھے اور دستر خوان سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ مہمان ہاتھ نہ روک لیں۔[1]

امام کاظمؑ فرماتے ہیں:

ان رسول الله(ﷺ) کان اذا اتاه الضيّف اکل معه ولم یرفع یده من الخوان حتی یرفع الضیّف یده [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں جب بھی مہمان آتے تو آپؐ ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے اور آپؐ اس وقت تک دستر خوان سے ہاتھ نہیں کھینچتے جب تک مہمان کھانے سے ہاتھ نہ کھینچتے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مہمان حضرات، کھانا کھانے کے بعد وہیں بیٹھ جاتے تھے اور گفتگو میں مشغول ہو جاتے تھے اور آپؐ مہمانوں کے احترام میں بیٹھے رہتے تھے جب اس عمل کی تکرار ہوئی تو آیت نازل ہوئی:

فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ [3]

اور جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے بیٹھے نہ رہو۔

سرکارؐ کی بچوں کی بچوں سے شفقت

ایک روز آپؐ پانی نوش فرما رہے تھے اور کوزہ میں تھوڑا سا پانی باقی بچا تھا اتنے میں ایک بچہ آیا اور پانی طلب کیا، تبھی بعض بڑے بڑے لوگوں نے کہا: یا رسول اللہؐ یہ پانی بطور تبرک ہمیں عطا کیجئے، آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے اس بچہ نے طلب کیا ہے، پھر بچہ کی طرف متوجہ ہوئے اور بچہ سے پوچھا: کیا

---

[1] سنن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۶۷، ۵۳

[2] کافی، جلد ۶، ص ۲۸۶

[3] سورہ احزاب آیت ۵۳

تمھاری اجازت ہے کہ میں یہ پانی ان لوگوں کو دیدوں، یہ تمھارے بزرگ ہیں؟ لیکن بچہ نے فوراً انکار کر دیا، پھر آپؐ نے وہ پانی اسی بچہ کو دیا۔[1]

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "ایک روز آپؐ نے نماز ظہر کی آخری دو رکعتیں بہت جلدی جلدی ادا کیں، لوگوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ آخر ایسا کیوں؟ کیا کام در پیش ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: کیا تم بچہ کے رونے کی آواز نہیں سن رہے ہو۔[2]

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں:

کان النبیّ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اذا اصبح مسح علی رؤوس ولده و ولد ولده[3]

جب صبح ہو جاتی پیغمبر اکرمؐ اپنا دست شفقت اپنے فرزندوں اور فرزند کی اولاد پر پھیرتے۔

عہد و پیمان کی وفاداری

حضرت رسول اکرمؐ کے سیاسی کردار کی خصوصیات میں سے ایک عہد و پیمان پر باقی رہنا اور تمام معاملات کا احترام کرنا ہے۔ یہ خصوصیت دنیا کے رابطوں میں سب سے زیادہ اہم سیاسی چال اور رفتار شمار کی جاتی ہے۔ اسی عہد و پیمان کی بنیاد پر حضرت رسول اکرمؐ صلح حدیبیہ پر پابند رہے تھے۔ حضرت رسول اکرمؐ کی سیاسی تاریخ میں مذکور ہے کہ ابو جندل، سہیل بن عمرو کا بیٹا جب مسلمان ہوا تو قریش کے ہاتھوں سے بھاگ نکلا اور مدینہ میں آکر پناہ لی۔

سہیل کہ جو قریش کی جانب سے صلح حدیبیہ میں ان کا نمائندہ تھا اور اس صلح نامہ پر اس کے دستخط ہوئے تھے۔ اس نے حضرت رسول اکرمؐ سے کہا: صلح کی شرائط کی بنا پر آپ سہیل کی حمایت سے ہاتھ اٹھائیں اور ابو جندل کو قریش کی حوالے کر دیں۔ حضرت رسول اکرمؐ نے اس بات کو قبول

[1] سیرۂ حلبی، ج ۳، ص ۶۸

[2] اصول کافی، ج ۶، ص ۴۸

[3] عدہ الداعی و نجاح الساعی، ص ۸۹/ بحار الانوار، جلد ۱۰۱، ص ۹۹، طبع بیروت

فرمالیااور اس کو قریش کے حوالے کر دیا، حضرت رسول اکرمؐ نے ابو جندل کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے اس قوم سے عہد وپیمان باندھاہے کہ جس کو ہم نہیں توڑیں گے۔

عدل وانصاف

عدل وانصاف کی اہمیت اسلام میں اس قدر ہے کہ نہ صرف اپنے اندرونی معاملات میں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا حکم ہوا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ[1]

اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے، (ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ کی زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تمام معاملات میں صرف عدل وانصاف ہی سے کام لیا ہے۔ قرآن کریم آپ کی اسی خصوصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ[2]

اور کہد یجئے: اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

صبر واستقامت

حضرت رسول اکرمؐ کی زندگی میں ایسے دن بھی گذرے ہیں کہ جو بیان کے قابل نہیں ہیں۔ قریش کی طرف سے دھمکیاں، گلی کوچوں اور بازاروں میں پتھر اور سنگریزوں کے درمیان سے گذرنا، شعب ابی طالب میں سختیوں میں زندگی بسر کرنا، دشمنوں کے ہاتھوں اپنے اصحاب پر ظلم وزیادتی کو دیکھنا، اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا، مشرکین ومنافقین کی جانب سے دھوکے بازیاں، جنگوں میں سختیوں کے حالات سے گذرنا وغیرہ، یہ وہ مواقع ہیں کہ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ انسان کی طاقت و قوت کو سست اور حالات کو تنگ کر دیتے ہیں۔

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۸

[2] سورہ شوریٰ آیت ۱۵

لیکن حضرت رسول اکرمؐ خداوند عالم کی رحمتوں اور عنایات کے سایے میں سینے کی کشادگی سے سرفراز ہوئے اوران تمام مشکلات میں صبر واستقامت کادامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔اوراسلام کے چھوٹے سے پودے کو ایک عظیم درخت میں تبدیل کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ خداوندعالم نے حضرت رسول اکرمؐ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ [1]

کیاہم نے آپ کے لیے آپ کاسینہ کشادہ نہیں کیا؟

اس آیت شریفہ میں سینے کے گشادہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کی فکر وروح میں وسعت نصیب ہوئی کہ جس سے وحی کے ذریعہ آپ کے علم میں وسعت پیداہوئی اور صبر و تحمل کی قوت حاصل ہوئی کہ جو دشمنوں کی ہر طرح کی ہٹ دھرمی اور دھوکادھڑی میں کارساز رہی۔

حالانکہ حضرت رسول اکرمؐ بذات خود بھی ایک صبر اور استقامت والے انسان تھے،اور پھر قرآن کریم کی آیات بھی آپ کو صبر واستقامت کی دعوت دیتی تھیں کہ جس سے آپ کی شرعی تکلیف دوگنی ہوجاتی تھی۔مذکورہ ذیل آیات انہیں میں سے ہیں:

فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ [2]

پس اپنے رب کے حکم تک صبر کریں اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہوجائیں۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ [3]

پس صبر کرو جیسے کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیاہے۔

شجاعت و قاطعیت

دوستوں اور مؤمنین کے ساتھ رافت ومہربانی کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ دشمنوں اور برے لوگوں کے ساتھ قاطعیت سے پیش آیاجائے۔اس لیے کہ یہ حضرت رسول اکرمؐ کے اس فرمان کے تحت بھی ہے:

---

[1] سورہ الشرح آیت ۱

[2] سورہ القلم آیت ۴۸

[3] سورہ الاحقاف آیت ۳۵

ولا يُقيمُ النّاسَ إلّا السّيف

لوگوں کو سوائے تلوار کے کوئی چیز سیدھا نہیں کر سکتی۔

بعض مشرکین و منافقین اور اہل کتاب کے ساتھ سختی کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے۔

قرآن کریم نے حضرت رسول اکرمؐ کو مخاطب کر کے مشرکین و منافقین سے سختی کے ساتھ برتاؤ کرنے کے سلسلے میں فرمایا::

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ[1]

پس جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو تم جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور گھیر و اور ہر گھات پر ان کی تاک میں بیٹھو۔

دراصل یہ حکم اس وقت ہوا جب مسلسل کفار کی طرف سے عہد شکنی ہوئی اور اُن کی طرف سے مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کی جارہی تھی اور حالت جنگ میں کفار و مشرکین کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کریم دوسری جگہ سختی کو استعمال کرنے کے سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا[2]

لہٰذا آپ کفار کی بات ہر گز نہ مانیں اور اس قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ بڑے پیمانے پر جہاد کریں۔

قرآن کریم کا یہ دستور اس لیے ہے کہ اگر کافروں کے ساتھ ڈھیلے پن سے کام لیں گے اور ان سے نرمی سے پیش آئیں تو وہ خوشحال ہوں گے:

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ[3]

وہ چاہتے ہیں اگر آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔

---

[1] سورہ توبہ آیت ۵

[2] سورہ فرقان آیت ۵۲

[3] سورہ قلم آیت ۹

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ اپنے دین سے کم کریں تاکہ وہ بھی کچھ اپنے دین سے کم کریں اور دونوں طرف سے اپنے اپنے دینی معاملات میں ڈھیل اور مسامحہ سے کام لیا جائے۔

صداقت وامانت داری

صداقت و امانت داری، حاکم و سیاسی شخصیتوں کی ضروری خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت رسول اکرمؐ نہ صرف اپنی رسالت کے دوران بلکہ آپ مبعوث ہونے سے پہلے ہی سے امین اور صادق کے نام سے مشہور تھے یہاں تک کہ آپ کو لوگ "محمد امین" کے نام سے جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت رسول اکرمؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے اور حکم ملا کہ عام طور پر اعلان فرمادیں تب آپ صفانامی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے اور فرمایا:

اے لوگو اگر میں آپ کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن ہے کہ جو تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا تم میری بات کو قبول کروگے؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: جی ہاں اس لیے کہ ہم نے کبھی بھی آپ سے جھوٹ نہیں سنا ہے۔ اس وقت حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ میں تمہارے درمیان منصب رسالت پر فائز ہوا ہوں۔

قرآن کریم نے انبیاء الٰہی کے صفات بیان کرتے ہوئے آپ کو ہر دھوکے اور چالبازی سے دور بتایا ہے، لہذا ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1]

اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرتا ہے وہ
قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو (اللہ کے سامنے) حاضر کرے گا۔

"یغل" کا مصدر "غل" ہے جس کا معنی خیانت ہے، لہذا آیت کا معنی یہ ہوگا کہ نبی کی ذات و مقام اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے خیانت و دھوکہ کا مرتکب ہو یا لوگوں سے خیانت کرے (کیونکہ نبی کا لوگوں سے خیانت کرنا بھی خدا ہی سے خیانت کرنے کے برابر ہے) اور یہ واضح ہے کہ

[1] سورہ آل عمران آیت ۱۶۱

خیانت کار شخص اپنی خیانت ہی کے ساتھ اپنے رب کے حضور پیش ہو گا پھر اس سے اس کے کئے کا پورا پورا حساب ہو گا اور اپنے کئے کی سزا پائے گا۔[۱]

عقلمندی وہوشیاری

عقلمندی وہوشیاری اہم ترین دستورات میں سے ہے کہ جس سے حضرت رسول اکرمؐ اسلامی نظام میں کبھی بھی غافل نہیں ہوئے۔ آپ کی سیاسی تاریخ پر دقیق نگاہ ڈالنے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کے مصمم ارادے اور فیصلے کاملاً عقلمندی وہوشیاری کی بنیاد پر ہوتے تھے۔

حقیقت کو جانچنا اور حالات سے باخبر رہنا حضرت رسول اکرمؐ کے فیصلوں میں بنیادی مسئلہ تھا کہ جو عقلمندی وہوشیاری کی سب سے بڑی علامت ہے، تمام جنگوں اور فیصلوں میں آپ کا یہ کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

ہجرت سے پہلے شہر مکہ میں قریش کے ساتھ تعلقات اور برتاؤ، ہجرت کے بعد مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عہد وپیمان اور حکومت کو تشکیل دینا، چھٹی ہجری میں قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ، اور فتح مکہ سے پہلے پھر ان کے ساتھ فیصلہ یہ تمام معاملات، حضرت رسول اکرمؐ کی عقلمندی اور ہوشیاری کی نشانیاں ہیں کہ جو حقیقت پسندی پر مبنی تھے۔

رسول اللہؐ کا شوخی (مذاق) کرنا

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

كان رسول الله(صلى الله عليه وآله) يداعب ولا يقول الا حقاً[۲]

رسول اللہؐ مذاق کرتے تھے لیکن حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے تھے۔

رسول اللہؐ اور ہمارے مذاق میں یہی فرق ہے کہ ہم مذاق میں سب کچھ بول دیتے ہیں، چاہے حق پر مبنی ہو یا حق کے خلاف ہو۔ لیکن رسول اللہؐ کی مذاق میں بھی حق وصداقت پائی جاتی تھیں۔ دوسری جگہ امام علیؑ فرماتے ہیں:

---

[۱] تفسیر المیزان، جلد ۴، ص ۱۴۱

[۲] مستدرک الوسائل، جلد ۸، ص ۴۰۸

كان رسول الله(صلى الله عليه وسلم) ليسرّ الرجل من اصحابه اذا رآه مغموما بالمداعبة وكان يقول: انّ الله يبغض المعبس فی وجه اخوانه[1]

جب بھی اپنے اصحاب میں سے کسی کو غمگین دیکھتے تو اس کو مذاق سے خوشحال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خداوند اس شخص کو جو اپنے دوستوں کے ساتھ ترش روئی اور بگڑے چہرے کے ساتھ پیش آئے دشمنی رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق

رسول اسلامؐ کا خداوند عالم کے ساتھ اخلاق

اخلاق کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے آقا و مولا کی یاد میں غرق رہے، کبھی بھی اپنے آقا کو فراموشی کی نذر نہ ہونے دے، چاہے زبان سے یاد کرے یا دل سے، بہر حال اس کی یاد میں رہے، حضرت ختمی مرتبتؐ نے ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ اپنے آقا و مولا کو کس طرح یاد کیا جائے، آپؐ کی توجہ ہر وقت خداوند عالم کی طرف رہتی تھی، ہر وقت لبوں پر تسبیح و تہلیل کے زمزمے رہتے تھے۔

وکان(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لایقوم ولا یجلس الا علیٰ ذکرالله[2]

یعنی حضورؐ کی کوئی نشست و برخاست ذکر خدا سے خالی نہیں ہوتی تھی اور اس ذکر کا اثر دوسروں پر یہ ہوتا تھا کہ ان کے لب بھی تسبیح خدا میں زمزمہ سنج ہو جاتے تھے۔

اگر ایک انسان کو ذرا اونچا عہدہ مل جاتا ہے تو وہ پھولے نہیں سماتا اور متکبرانہ انداز میں سر اٹھا کر چلتا ہے کہ میرے جیسا کون ہو سکتا ہے، لیکن رسول اسلامؐ جو دونوں جہاں کے لیے منتخب کئے گئے تھے ان کی سادہ لوحی پر نظر کی جائے۔

[1] کشف الریبہ، ص ۸۳
[2] تفسیر المیزان ج ۶، ص ۳۲۱

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل خانہ کے ساتھ اخلاق

حضور سرور کائنات ؐ کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ گھر کے سارے کام آپؐ کی زوجہ انجام دے بلکہ آپؐ یہ چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ ان کی مدد کریں، یہاں تک کہ پارہ شدہ لباس بھی خود سی لیتے تھے، زوجہ کو زحمت نہیں دیتے تھے۔[۱]

ہمیشہ اس وقت کھانا نوش فرماتے تھے جب سارے اہل خانہ جمع ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ غلاموں کا بھی انتظار کیا کرتے تھے۔ یوں تو حضورؐ کی تقریباً تمام بیویاں ہی یتیم پرور اور بیواوں کا خیال رکھنے والی تھیں، لیکن اخلاق کے اعتبار سے سب کے درمیان فرق تھا مگر قرآنی حکم کے مطابق حضور اکرمؐ سب کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے۔

کبھی کبھی بعض بیویاں بداخلاقیاں بھی کرتی تھیں یہاں تک کہ اس بداخلاقی کی وجہ سے حضورؐ کے بعض اصحاب ناراض ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہؐ! انہیں چھوڑ دیجیے (آزاد کر دیجیے)۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ عورتوں کی بداخلاقی کو بھی ان کا کمال شمار کرنا چاہیے اور ذرا سی ناراضگی کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔[۲]

حضور اکرمؐ، جناب خدیجہ کی خوش اخلاقی اور وفاداری کی وجہ سے (یہاں تک کہ ان کی وفات کے بعد بھی) ان کی سہیلیوں کا خاص احترام کرتے تھے اور فرماتے تھے "میں (تمام خاندانوں میں) اپنے خاندان کے ساتھ سب سے زیادہ خوش رفتاری سے پیش آتا ہوں یعنی کسی بھی خاندان میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنے خاندان کے ساتھ مجھ سے بہتر رفتار کرتا ہو۔

حضورؐ اپنی بیویوں کے ساتھ اتنی زیادہ عدالت سے پیش آتے تھے کہ بیماری کے ایام میں بھی آپؐ کا بستر ایک ایک شب ایک ایک بیوی کے حجرہ میں رہتا تھا۔

جناب عائشہ فرماتی ہیں: کبھی کبھی حضورؐ، خدیجہؑ کو بہت اچھی طرح یاد فرماتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے، میں نے ایک روز حضورؐ سے کہا: یارسول اللہؐ خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدیجہ سے بہتر بیوی (دوشیزہ) عطا کی ہے، انھیں بھول جائیے وہ تو بڑھیا تھیں۔

---

[۱] بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۷

[۲] سیرۂ پیامبر اکرم، ص ۳۳

حضورؐ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، خدیجہؑ جیسی کوئی بیوی نہیں ہوسکتی جس وقت پورا معاشرہ کافر تھا، اس عالم میں یہ تنہا خاتون تھی جو مجھ پر ایمان لائی تھی اور میری مدد گار ثابت ہوئی تھی، میری نسل تو خدیجہؑ سے ہی چلی ہے۔

حضورؐ کا ہمسایوں کے ساتھ سلوک

حضور سرور کائناتؐ غذا نوش فرمانے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ ہمارا ہمسایہ تو بھوکا نہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم شکم سیر ہو کر سوئیں اور ہمارا ہمسایہ بھوکا سوئے، اگر ایسا ہوا تو ہم خدا کو کیا جواب دیں گے؟

آپؐ خود فرماتے ہیں: کہ جبرئیل امین نے مجھے ہمسایہ کے بارے میں اتنی زیادہ تاکید کی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ اب یہ میری وراثت میں بھی ہمسایہ کو شامل کر دیں گے۔

آنحضرتؐ کا دوستوں کے ساتھ اخلاق

دوستوں کی احوال پرسی کرنا، اور ان کی خبر لینا بھی اخلاق حسنہ کی ایک شاخ ہے، جو دوستوں کے دلوں کی دریائے محبت میں اور زیادہ موجیں لے آتا ہے۔

پیغمبر خداؐ کبھی بھی اپنے دوستوں سے غافل نہیں رہتے تھے، بلکہ ہمیشہ رابطہ رکھتے تھے۔ مولا علیؑ فرماتے ہیں:

اگر آپؐ تین دن تک کسی برادر دینی کو نہیں دیکھ پاتے تھے تو اس کی تلاش میں نکل جاتے تھے، اگر معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر میں ہے تو سلامتی کی دعا فرماتے تھے، اگر شہر میں موجود ہوتا تھا تو فوراً اس کی احوال پرسی اور دیدار کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور اگر بیمار ہوتا تھا تو اس کی عیادت کے لیے جاتے تھے اور اس کی صحت یابی کی دعا فرماتے تھے۔[1]

ایک مرتبہ رسول اسلامؐ اپنے اصحاب کے ساتھ سفر کر رہے تھے، راستے میں کھانے کا وقت آگیا، حضورؐ نے قافلہ کو روکا، تمام لوگوں کے ذمہ ایک ایک کام کر دیا اور خود سوکھی لکڑیاں جمع کرنے لگے، اصحاب نے بہت روکنا چاہا لیکن حضورؐ نے قبول نہیں کیا۔

[1] مکارم الاخلاق ص، ۱۹

دوسری جگہ آپؐ ناقہ سے اترے اور اسے باندھنے کے لیے ایک گوشہ کی جانب چلے، اصحاب آگے بڑھے تاکہ ناقہ کی لگام اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور باندھ دیں لیکن حضورؐ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا جہاں تک ہو سکے، اپنا کام خود انجام دو۔

اعزاء واقارب کے ساتھ اخلاق

آپؐ خود فرماتے ہیں:

"صلوا ارحامکم ولو بالسلام" اپنے عزیزوں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو، چاہے وہ سلام کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، یعنی اپنے رشتہ داروں سے کبھی بھی قطع تعلق نہ کرنا چونکہ تمہاری گردنوں پر ان کے کچھ حقوق ہیں جن میں سے سب سے اہم حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

خادموں اور غلاموں کے ساتھ اخلاق

آپؐ کو یہ منظور نہیں تھا کہ گھر میں غلام موجود ہے تو تمام کام وہی انجام دے بلکہ آپؐ غلام کی بھی مدد فرماتے تھے، غلام کے ساتھ چکی چلاتے تھے، اور اگر وہ بہت زیادہ خستہ ہو جاتا تھا تو اس سے کہتے تھے کہ تم آرام کرو یہ کام میں انجام دوں گا،[1]

انس ابن مالک کہتا ہے کہ میں نو سال تک رسول اسلامؐ کا خادم تھا، مجھے یاد نہیں کہ رسول اللہؐ نے کبھی یہ کہا ہو کہ تم نے ایسا کیوں کیا، ایسا کیوں نہیں کیا؟[2]

حضرتؐ کا دشمنوں کے ساتھ اخلاق

دوستوں کے ساتھ حسن اخلاق اور خوش رفتاری سے پیش آنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

حضورؐ کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ جس طرح دوستوں کے ساتھ نیک برتاؤ سے پیش آتے تھے، اسی طرح دشمنوں کے ساتھ بھی اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ واقعہ مشہور ہے کہ آپؐ کے

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۷

[2] مکارم الاخلاق، ص ۱۶

گذرنے کا جو راستہ تھا اس راستہ میں ایک ضعیفہ رہتی تھی اور وہ اپنے گھر کا سارا کوڑا کرکٹ جمع کر کے رکھتی تھی؛ تاکہ حضورؐ کے اوپر پھینکے، یہاں تک کہ حضور کا گذر ہوتا تھا اور وہ گھر کی ساری غلاظتیں آپؐ کے اوپر پھینک دیتی تھی لیکن آپؐ اس سے کچھ بھی نہیں کہتے تھے بلکہ اس طرح خاموشی سے گذر جاتے تھے جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔

ایک روز رسول اللہؐ کا گذر ہوا تو بڑھیا نے کوڑا نہیں پھینکا، آپؐ نے ہمسایوں سے دریافت کیا کہ بڑھیا کہاں ہے؟ جواب ملا کہ وہ مریض ہے۔ رسول اسلامؐ اس کے گھر پہنچے، بڑھیا نے دروازہ پر نگاہ کی تو رسول اللہؐ نظر آئے۔ بڑھیا نے کہا: واہ محمدؐ اچھا موقع تلاش کیا ہے انتقام کا، بدلہ لینا تھا تو اسی وقت لیتے جب میں صحت مند تھی، اب تو میں اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتی۔ رسول اسلامؐ نے فرمایا:

میں تجھ سے بدلہ لینے نہیں آیا ہوں، بلکہ تیری عیادت کے لیے آیا ہوں۔ یہی وہ وقت تھا کہ اس کے دل کی تمام تاریکیاں نور سے تبدیل ہو گئیں، ایک مرتبہ کہا محمدؐ مجھے کلمہ پڑھا دیجئے، بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ تھا رسول اسلامؐ کا اخلاق دشمنوں کے ساتھ، اگر رسول اسلامؐ اس اخلاق سے پیش نہ آتے تو یہ کافرہ کبھی بھی مسلمان نہ ہوتی اور حالت کفر ہی میں دنیا سے چلی جاتی۔

حضرتؐ کا قیدیوں کے ساتھ سلوک

خداوند عالم کی جانب سے حضرتؐ کو یہ حکم ہوا تھا کہ آپؐ بذات خود، اسیروں سے گفتگو کریں اور انھیں راہ ہدایت کی طرف دعوت دیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ [1]

اے نبی! جو قیدی تمہارے قبضے میں ہیں ان سے کہدیں کہ اگر اللہ کو علم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کوئی اچھائی ہے تو جو تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے وہ تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا اور تمہیں معاف کرے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم

[1] سورہ انفال آیت ۷۰

کرنے والا ہے۔

آپؐ کے گھرانے کے بچے بچے میں یہی جذبہ نظر آتا ہے بلکہ آپؐ کے گھر کی کنیز "فضہ" بھی اپنے سامنے سے روٹی اٹھا کر مسکین و یتیم و اسیر کو دیدیتی ہے اور جبرئیل امین آیت لیکر نازل ہوتے ہیں:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا [1]

اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

یعنی یہ وہ گھرانہ ہے کہ خداوند عالم کی محبت میں مسکین، یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتا ہے، اس گھرانے کے علاوہ کون ایسا سخی ہے کہ پورا دن روزے سے رہ کر اپنا افطار اٹھا کر فقیر کو دیدے اور پانی سے افطار کر کے سو جائے؟ وہ بھی ایک دن نہیں بلکہ مسلسل تین دن تک۔ حضرت علیؑ ضربت کے بعد قاتل کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کو اسیر کر لو لیکن اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا اور اس کے ساتھ خوش رفتاری سے پیش آنا۔[2]

جب ایسی محبت و مہربانی نظر آتی ہے تو عقل انسانی انگشت بدنداں نظر آتی ہے کہ جو آپ کا قاتل ہے اس کو جام شیر پلاتے ہیں اور اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔

عام لوگوں کے ساتھ اخلاق

رسول اسلامؐ کا عام لوگوں کے ساتھ یہ اخلاق تھا کہ اگر کسی بزم میں جاتے تھے تو کسی کو یہ موقع نہیں دیتے تھے کہ وہ آپؐ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو، کسی کی طرف پیر پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، ہمیشہ سلام میں سبقت کیا کرتے تھے، چرب زبانی کے مخالف تھے یعنی آپؐ ضرورت کے مطابق زبان کھولتے تھے، فضول باتوں سے پرہیز فرماتے تھے، کبھی بھی آپؐ کو کھلکھلا کر ہنستے نہیں دیکھا گیا، زمین پر بیٹھتے تھے اور غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھ کر ہی غذا تناول فرماتے تھے۔[3]

آپؐ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے، دوسروں کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آتے تھے اور یہ پسند فرماتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی مسکراتے رہیں۔

---

[1] سورہ انسان آیت ۸

[2] میزان الحکمۃ

[3] بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۸

حضورؐ کی سیرت باعث محبوبیت

آپؐ کی سیرت، خلاق دو جہاں کو اتنی زیادہ پسند آئی کہ اپنا محبوب بنالیا اور آپؐ کا لقب حبیب اللہ پڑ گیا، اور جہان اسلام بڑی شان و شوکت کے ساتھ آپؐ کے اس لقب پر فخر و مباہات کر کے نعت شریف پڑھتا نظر آتا ہے۔ جب خداوند عالم نے آپؐ کو اپنا محبوب بنالیا تو یہ ظاہر سی بات ہے کہ محبوب سے متعلق ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے اس کی ہر ادا دل میں جگہ بناتی ہے، آنکھوں میں سما جاتی ہے لہٰذا۔

جب آپؐ کو بچپن کے عالم میں دیکھا تو فرمایا:

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ [1]

۶۔ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی؟

تمام تفاسیر کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت سے جناب ابو طالب کی جانب اشارہ ہے، چونکہ جب آپؐ یتیم تھے تو آپؐ کی پناہ گاہ جناب ابو طالب کے علاوہ کوئی نہیں تھی۔

آپؐ کو وطن میں دیکھا تو فرمایا:

لا لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ [2]

۱۔ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ۲۔ جب اس شہر میں آپ کا قیام ہے۔

آپؐ کو سفر کی حالت میں دیکھا تو فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ [3]

۷۔ اور اس نے آپ کو گمنام پایا تو راستہ دکھایا،

یہاں کھویا ہوا اور گمشدہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب آپؐ کو لوگ نہیں پہچانتے تھے تو خداوند عالم نے رہنمائی کی۔

آپؐ کی حیا کو دیکھا تو فرمایا:

فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ [4]

---

[1] سورہ ضحیٰ آیت ۶

[2] سورہ بلد آیت ۲،۱

[3] سورہ ضحیٰ آیت ۷

[4] سورہ احزاب آیت ۵۳

اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ میرا رسول تم میں سب سے زیادہ حیادار ہے۔

آپؐ کی ضیا کو دیکھا تو فرمایا:

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا [1]

اور اس (اللہ) کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔

آپؐ کی عبا کو دیکھا تو فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [2]

اے چادر اوڑھنے والے۔

آپؐ نماز کی حالت میں جو کمبلی اوڑھے تھے وہ بھی خدا کو اتنی پسند آئی کہ آپؐ کا لقب قرار دیا "اے کمبلی اوڑھنے والے رسول"۔

آپؐ کے کردار کو دیکھا تو فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ [3]

اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

آپؐ کی رفتار کو دیکھا تو فرمایا:

إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ [4]

آپ یقیناً سیدھے راستے پر ہیں۔

اس آیت سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر تمہیں صراط مستقیم چاہیئے تو میرے حبیب کی راہ اپناؤ، یہی صراط مستقیم ہے۔

آپؐ کے پرستاروں کو دیکھا تو فرمایا:

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ [1]

---

[1] سورہ احزاب آیت ۴۶

[2] سورہ مدثر آیت ۱۱

[3] سورہ قلم آیت ۴

[4] سورہ زخرف آیت ۴۳

آپس میں مہربان ہیں۔

اشارہ ہے جناب ابو طالبؑ کی طرف کہ آپ کے جیسا کوئی پرستار اور نگہبان نہیں، وہ تو دوسرے لوگوں کے لیے بھی رحم دل انسان ہے۔

آپؐ کے یار کو دیکھا تو فرمایا:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ [2]

وہ کفار پر سخت گیر ہیں۔

اشارہ ہے مولا علیؑ کی ذات گرامی کی جانب کہ یہ میری عبادت میں اتنا غرق ہے کہ اسے میرے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا اور میرے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت شدید ہے، ان کو معاف نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ ان کی نسلوں میں کوئی محمد و آل محمد کا شیعہ آنے والا ہو۔

آپؐ کی اصالت کو دیکھا تو فرمایا:

أَصْلُهَا ثَابِتٌ [3]

جس کی جڑ مضبوط گڑی ہوئی ہے۔

اشارہ ہے آپ ﷺ کے شجرۂ نسب کی جانب کہ آپ ﷺ کے شجرہ میں کسی قسم کے شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے۔

آپؐ کی سیادت کو دیکھا تو فرمایا:

يس وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ [4]

یا، سین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی۔

یعنی آپؐ کو اتنا پاک و پاکیزہ اور طاہر پایا کہ یٰس جیسے لقب سے نوازا۔

آپؐ کی طہارت کو دیکھا تو فرمایا:

طه مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ [1]

---

[1] سورہ فتح آیت ۲۹

[2] سورہ فتح آیت ۲۹

[3] سورہ ابراہیم آیت ۲۴

[4] سورہ یٰس آیت ۱

طا،ہا۔ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

آپؐ کی فصاحت کو دیکھا تو فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ [۲]

اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے انسان کو بولنا سکھایا۔

یعنی خداوند عالم نے انسان کو خلق کیا پھر اسے واضح طور پر تعلیم دی، یعنی ایسی تعلیم دی جس میں پیچیدگی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

آپؐ کی سخاوت کو دیکھا تو فرمایا:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ [۳]

اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دیں۔

یعنی آپؐ کا ہاتھ اتنا زیادہ کھلا ہوا کہ دنیا بھر کے کتنے بھی ہاتھ کھل جائیں آپؐ کی برابری نہیں کر سکتے۔

آپؐ کے علم پر نظر پڑی تو فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ [۴]

اور آپ کو ان باتوں کی تعلیم دی جنہیں آپ نہیں جانتے تھے۔

اشارہ ہے کہ اے رسول! ہم نے آپؐ کو ایسی تعلیم دی کہ کسی کو بھی ایسی تعلیم نہیں دی گئی اور نہ ہی تا قیام قیامت دی جائے گی۔

آپؐ کے حلم کو دیکھا تو فرمایا:

وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ [۵]

اور بہت سی باتوں سے در گزر بھی کرتے ہیں۔

---

[۱] سورہ طٰہٰ آیت ۱

[۲] سورہ رحمان آیت ۴، ۳

[۳] سورہ اسراء آیت ۲۹

[۴] سورہ نساء آیت ۱۱۳

[۵] سورہ مائدہ آیت ۱۵

یعنی میرا رسول اتنا حلیم و بردبار ہے کہ اکثر اوقات اس کے اندر انتقام کا جذبہ نہیں رہتا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے معاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آپؐ کے نور کو دیکھا تو فرمایا:

مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ[1]

اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے، اس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے۔

یعنی میرے رسول کا نور، اس نور کی طرح ہے کہ جیسے چراغ قندیل میں رکھا ہو اور دھیمی دھیمی روشنی باہر آرہی ہو جو انسان کے دل کو لبھاتی ہے۔

آپؐ کے حسین چہرہ مبارک کو دیکھا تو فرمایا:

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا[2]

قسم ہے سورج اور اس کی روشنی کی۔

آپؐ کی زلفوں کو دیکھا تو فرمایا:

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا[3]

اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے۔

آپ کی زلف (رات) کی قسم جو زمانہ پر تاریکی پھیلا دیتی ہے۔

آپؐ کے دست مبارک کو دیکھا تو فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ[4]

اور (اے رسول) جب آپ کنکریاں پھینک رہے تھے اس وقت آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے کنکریاں پھینکی تھیں۔

---

[1] سورہ نور آیت ۳۵

[2] سورہ شمس آیت ۱

[3] سورہ شمس آیت ۴

[4] سورہ انفال آیت ۱۷

اے میرے رسول یہ کنکریاں جو تم نے پھینکی ہیں یہ تم نے نہیں پھینکیں بلکہ ہم نے پھینکی ہیں، یہ فعل تمہارے ہاتھوں سے انجام پایا لیکن یہ کام ہمارا ہے، تم میری صفات کے مظہر ہو، اس لیے میں نے یہ کام تمہارے ہاتھوں سے انجام دلوایا۔

آپؐ کے قدم مبارک کو دیکھا تو فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ[1]

۸۔ پھر وہ قریب آئے پھر مزید قریب آئے، ۹۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم (فاصلہ) رہ گیا۔

اشارہ ہے واقعہ معراج کی جانب، جب رسول اسلامؐ کو حکم ہوا تھا کہ اے میرے رسول! چلے آؤ، چلے آؤ، بڑھتے رہو، میری جانب بڑھتے رہو "میرے رسول آیئے اور قریب آیئے" یہاں تک کہ حضور اکرمؐ اتنے قریب ہوئے، اتنے قریب ہوئے کہ جبرئیل نے بھی ساتھ چھوڑ دیا جو کہ خداوند عالم کا مقرب ترین فرشتہ تھا اور حضورؐ اتنا نزدیک ہوئے کہ کوئی مقدار نہیں بتائی گئی کہ کتنے قریب ہوئے دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

آپؐ کے سینہ مبارک کو دیکھا تو فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ[2]

کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟

آپؐ کی پشت مبارک کو دیکھا تو فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ[3]

اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ نہیں اتار، جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی؟

آپؐ کے بیت الشرف پر نظر پڑی تو فرمایا:

---

[1] سورہ نجم آیت ۹،۸

[2] سورہ انشراح آیت ۱

[3] سورہ انشراح آیت ۳،۲

فی فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ[1]

(ہدایت پانے والے) ایسے گھروں میں ہیں جن کی تعظیم کا اللہ نے اذن دیا ہے۔

آپؐ کے اہل بیتؑ کو دیکھا تو فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا[2]

اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

نتیجہ

رسول اللہ وہ کامل انسان تھے جنہوں نے پوری زندگی اطاعت خداوندی میں صرف کی جن کا ہر کام خداوند متعال کی رضا کے مطابق تھا۔ اٹھتے وقت ذکر خدا کرتے ہوئے، بیٹھتے وقت ذکر خدا کرتے ہوئے، لوگوں سے ملے تو خدا کی خوشنودی کے لیے، مریضوں کی عیادت کرے تو خدا کی رضایت کے لیے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرے تو خدا کی قربت حاصل کرنے کے لیے، رسول جس شخص سے سامنا کرتے تھے فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ مسلمان ہے یا کافر ہے، رسولؐ ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے یہاں تک کہ لوگ آپؐ کو مبعوث بہ رسالت ہونے سے پہلے بھی صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔

یعنی رسول اللہؐ کی زندگی فقط خدا کی خوشنودی کے لیے صرف ہوئی، اسی لیے خدا نے فرمایا کہ بے شک تو بہترین اخلاق کا مالک ہے۔

[1] سورہ نور آیت ۳۶

[2] سورہ احزاب آیت ۳۳

منابع و مآخذ

۱۔ قرآن

۲۔ مجمع اللغۃ العربیۃ، لغۃ المعجم الوسیط، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، ریاض

۳۔ لویس مالوف، لغۃ المنجد، مکتبۂ مصطفائیہ، دیوبند

۳۔ الکوثر فی تفسیر القرآن، مصنف شیخ محسن علی نجفی، البلاغ، اسلام آباد

۴۔ تفسیر المیزان، آیت اللہ محمد حسین طباطبائیؒ، الغدیر اکیڈمی پاکستان

۵۔ بحار الانوار، تالیف شیخ محمد باقر مجلسیؒ، محفوظ بک ایجنسی، کراچی

۶۔ سنن النبیؐ، آیت اللہ محمد حسین طباطبائی، موسسہ النشر الاسلامی، قم

۷۔ سیرۂ حلبیہ، علامہ علی بن برہان الدین حلب، کتب خانہ فخریہ، دیوبند

۸۔ اصول کافی، مرحوم ثقۃ الاسلام کلینیؒ، ناشر انتشارات اسوہ، بیروت

۹۔ ندوی، سیرۂ پیغمبر اکرم، مجلس نشریات اسلام، انڈیا

۱۰۔ مکارم الاخلاق، رضی الدین ابی نصر حسن بن فضل طبرسیؒ، ندوۃ المصنّفین، دہلی

۱۱۔ میزان الحکمۃ، تالیف آیت اللہ محمدی ری شہری، ترجمہ علامہ محمد علی فاضل، ناشر مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

۱۲۔ عدۃ الداعی، نجاح الساعی، دار الکتاب الاسلامی، قم ۱۹۸۷

۱۳۔ مجموعہ ورام، ورام، مسعود بن عیسی،

آستان قدس رضوی، بنیاد پژوھشھای اسلامی، مشہد

۱۴۔ عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور

۱۵۔ میرزا حسین نوری، مستدرک الوسائل، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم

۱۶۔ مناقب آل ابی طالب، رشید الدین محمد بن علی بن شہر آشوب، ط المطبعۃ العلمیۃ قم

۱۷۔ وسائل الشیعہ، تالیف الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملی، طباعت و اشاعت، قم

۱۸۔ تحف العقول، تالیف ابو محمد الحسن بن علی بن حسین بن شعبۃ حرانی، ترجمہ فارسی احمد جنتی